ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2911

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ حدیث وعلوم حدیث)

کوڈ: برصغیر میں علم حدیث (2911)

سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ) • کریڈٹ: 3

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ نمبر 1-4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، مضامین کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی تاریخی تفصیل کی حتمی تصدیق درکار ہو وہاں کورس کی کتاب اور مستند کتبِ تاریخ و سِیَر سے رجوع کریں، اور جہاں کسی دینی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: علم حدیث کی اشاعت میں دینی مدارس کا کردار (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ علم حدیث کی اشاعت میں دینی مدارس کے کردار پر تفصیلی مضمون لکھیں۔ (20)

تعارف

حدیث نبوی اسلام کا دوسرا بڑا ماخذ ہے، کیونکہ قرآن مجید کے اصولی احکام کی عملی تشریح، رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ جب تک حدیث زندہ اور محفوظ رہے گی، دین اپنی اصل صورت میں باقی رہے گا۔ برصغیر میں اسلام کی آمد کے بعد سے اس خطے میں حدیث کی حفاظت اور اشاعت کا سب سے منظم، مستقل اور مؤثر ذریعہ دینی مدارس رہے ہیں۔ مسجد سے ملحق چھوٹی درس گاہ ہو یا کسی بڑے شہر کی عظیم جامعہ، ہر دور میں مدارس ہی نے محدث پیدا کیے، کتبِ حدیث کو سینہ بہ سینہ منتقل کیا، اسناد کے تسلسل کو قائم رکھا اور عوام تک سنت کی روشنی پہنچائی۔ اس موضوع میں یہ جائزہ لیا جائے گا کہ دینی مدارس نے علمِ حدیث کی اشاعت میں تاریخی طور پر کیا کردار ادا کیا، ان کے ذرائع و وسائل کیا تھے، اور ان کی خدمات کے اثرات برصغیر کے دینی ماحول پر کس طرح ظاہر ہوئے۔ یہ موضوع اس کورس کی بنیاد ہے، کیونکہ آگے آنے والی تمام شخصیات اور تحریکیں درحقیقت انہی مدارس کی پیداوار ہیں۔

مدرسے کا تصور اور اس کا حدیث سے تعلق

اسلامی تاریخ میں مدرسہ باقاعدہ تعلیمی ادارے کی حیثیت سے اس وقت ابھرا جب مسجدی حلقے بڑھتی ہوئی طلب کے لیے ناکافی ہونے لگے۔ پانچویں صدی ہجری میں سلجوقی وزیر نظام الملک نے بغداد سمیت کئی شہروں میں نظامیہ مدارس قائم کیے، جن میں حدیث باقاعدہ نصاب کا حصہ تھی۔ اس سے پہلے تدریس مساجد، خانقاہوں اور علماء کے گھروں میں ہوتی تھی، جہاں محدث کے گرد حلقہ بنتا اور طلبہ سماع و قراءت کے ذریعے حدیث حاصل کرتے تھے۔ مدرسے نے اس روایت کو ادارہ جاتی شکل دی: مقررہ نصاب، مقررہ اساتذہ، طلبہ کے لیے قیام و طعام کا انتظام، کتب خانہ اور سند و اجازہ کا باقاعدہ نظام۔ برصغیر میں سلطنتِ دہلی کے قیام کے ساتھ ہی یہ ادارہ یہاں منتقل ہوا اور دہلی، لاہور، ملتان، اجمیر، جون پور، احمد آباد اور بعد میں لکھنؤ و دکن کے مدارس علمِ حدیث کے مراکز بنتے گئے۔ یوں مدرسہ محض عمارت کا نام نہیں رہا بلکہ ایک زندہ علمی سلسلہ بن گیا جو استاد سے شاگرد تک منتقل ہوتا رہا۔

نصابِ تعلیم میں حدیث کا مقام

مدارس کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کو نصاب کا لازمی اور آخری مرحلے کا سب سے معزز حصہ بنایا۔ برصغیر میں رائج درسِ نظامی میں اگرچہ منطق، فقہ اور اصول کو بڑی جگہ ملی، تاہم تکمیلی سال یعنی دورۂ حدیث میں صحاحِ ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ، نیز موطا امام مالک اور مشکاۃ المصابیح کی مکمل تدریس استاذۂ حدیث کے ذمے رہی۔ طالب علم سال بھر روزانہ حدیث سنتا، لکھتا، مشکلات حل کرتا اور آخر میں سند و اجازہ پاتا تھا۔ اس سے پہلے کے مراحل میں بھی وہ مشکاۃ، بلوغ المرام اور منتخب مجموعے پڑھ چکا ہوتا تھا۔ اس ترتیب کا فائدہ یہ ہوا کہ ہر عالم دین لازمی طور پر حدیث کے ذخیرے سے واقف ہو کر نکلا، خواہ اس کی تخصص کسی اور فن میں ہو۔ جب انیسویں صدی میں دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مدرسہ رحیمیہ و فرنگی محل جیسے ادارے قائم ہوئے تو دورۂ حدیث ان کی شان اور پہچان بن گیا، اور ہزاروں طلبہ ہر سال یہاں سے حدیث پڑھ کر ملک بھر میں پھیلنے لگے۔

اسناد و اجازہ کا تسلسل

حدیث کی سب سے انوکھی خصوصیت اس کا نظامِ اسناد ہے جس میں ہر روایت اپنے راویوں کے متصل سلسلے کے ساتھ محفوظ رہتی ہے۔ یہ تسلسل کتابوں سے نہیں بلکہ سینوں سے منتقل ہوتا ہے، اور اس کی حفاظت کا واحد ادارہ مدرسہ رہا ہے۔ برصغیر کے مدارس نے طلبہ کو نہ صرف متن پڑھایا بلکہ اپنے اساتذہ سے حاصل کردہ اسناد بھی عطا کیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر کا طالب علم سند کے ذریعے دہلی سے ہوتا ہوا مکہ و مدینہ اور پھر قرن بہ قرن رسول اللہ ﷺ تک پہنچا ہوا سلسلہ رکھتا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کی اسناد، مدرسہ رحیمیہ سے پھیلنے والے اجازے، اور بعد میں دیوبند و سہارنپور کے اساتذہ کی اسناد نے پورے خطے کو اسناد کے ایک جال سے جوڑ دیا۔ مؤرخینِ حدیث کے مطابق ایک دور ایسا بھی آیا جب ہندوستان میں حدیث کی اکثر اسناد شاہ اسحٰق دہلوی اور ان کے تلامذہ کے واسطے سے چلتی تھیں، جو اسی مدرسی نظام کی برکت تھی۔ اس تسلسل نے حدیث کو محض مطالعے کی کتاب نہیں رہنے دیا بلکہ ایک امانت دار روایت بنائے رکھا۔

کتب خانے، نسخ اور اشاعتِ کتب

مدارس نے کتبِ حدیث کی حفاظت میں بھی بنیادی کردار ادا کیا۔ مطبعے کی ایجاد سے پہلے ہر کتاب ہاتھ سے لکھی جاتی تھی اور مدارس کے کتب خانے قلمی نسخوں کے خزانے تھے۔ طلبہ استاد کے سامنے نسخہ پڑھتے، تصحیح کرتے اور مقابلہ (collation) کر کے اسے محفوظ بناتے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی جیسے محدثین نے حجاز سے مستند نسخے لا کر ہندوستان میں ان کی اشاعت کی، اور ان کے حواشی و شروح مدارس میں پڑھائے جاتے رہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں جب چھپائی عام ہوئی تو مدارس سے وابستہ علماء اور اداروں نے صحاحِ ستہ، ان کی شروح اور تراجم کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ حدیث کی بڑی شروح بھی زیادہ تر اساتذۂ مدارس ہی نے لکھیں، کیونکہ درس کے دوران پیش آنے والے سوالات اور مشکلات ہی شرح نویسی کی بنیاد بنتے ہیں۔ اس طرح مدرسے نے کتاب کو نسخے سے چھپی جلد تک کے ہر مرحلے میں زندہ رکھا۔

جدول 1: برصغیر کے چند نمائندہ مدارس / مراکز اور علمِ حدیث میں ان کی نمایاں خدمت

مدرسہ / مرکز	شہر	نمایاں خدمت برائے حدیث
مدرسہ رحیمیہ	دہلی	شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کا مرکز؛ اسناد و تدریسِ حدیث کا محور
فرنگی محل	لکھنؤ	درسِ نظامی کی تدوین؛ حدیث سمیت نقلی و عقلی علوم کی منظم تدریس
دار العلوم دیوبند	دیوبند	دورۂ حدیث کی عظیم روایت؛ صحاحِ ستہ کی تدریس و شروح کی اشاعت
مظاہر علوم	سہارنپور	اساتذۂ حدیث کی مشہور درس گاہ؛ حدیث کی تدریس و

تحقیق کا مرکز		
عربی ادب و حدیث کی تجدیدی تدریس؛ وسیع علمی روابط	لکھنؤ	ندوۃ العلماء
برصغیری طلبہ کی حجازی اسناد سے وابستگی کا ذریعہ	مکہ / مدینہ سے متصل	مدرسہ صولتیہ و دیگر حجازی روابط

محدثین اور اساتذہ کی تیاری

کسی بھی علم کی اشاعت کا اصل راز اچھے اساتذہ ہیں، اور مدارس کی تاریخ بتاتی ہے کہ برصغیر کا تقریباً ہر بڑا محدث کسی نہ کسی مدرسے کا استاد یا اس کی پیداوار رہا ہے۔ شاہ عبدالحق دہلوی نے دہلی میں درس دیا، شاہ ولی اللہ نے مدرسہ رحیمیہ کو مرکز بنایا، شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسحٰق نے اسی سلسلے کو آگے بڑھایا۔ دیوبند کے قیام کے بعد مولانا محمد یعقوب نانوتوی، پھر شیخ الہند مولانا محمود حسن اور علامہ انور شاہ کشمیری جیسے اساتذہ نے بخاری و ترمذی کے دورے پڑھائے جن کی شہرت برصغیر سے باہر تک گئی۔ سہارنپور میں مولانا احمد علی سہارنپوری اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے حدیث کی تدریس کو وقار بخشا۔ ان اساتذہ کے شاگرد ہر ضلع اور ہر قصبے میں مدرس، خطیب، مفتی اور مصنف بنے۔ یوں ایک مدرسے کا فیض سینکڑوں چھوٹے مدارس اور مساجد کے ذریعے عوام تک پہنچا۔ یہی استاد۔شاگرد سلسلہ، جسے علم کی زبان میں طبقاتی انتقال کہتے ہیں، حدیث کی اشاعت کی ریڑھ کی ہڈی رہا ہے۔

عوامی اشاعت: دروس، خطبات اور تراجم

مدارس کا دائرہ صرف طلبہ تک محدود نہیں رہا۔ اساتذۂ مدارس نے مساجد میں دروسِ حدیث دیے، ریاض الصالحین اور مشکاۃ جیسی کتابوں کے عوامی حلقے قائم کیے، جمعہ کے خطبات اور وعظ میں احادیث کو عام فہم انداز میں پیش کیا اور اردو، فارسی و علاقائی زبانوں میں تراجم و منتخبات تیار کیے۔ نماز، روزہ، اخلاق اور معاملات سے متعلق احادیث انہی دروس کے ذریعے عام مسلمان کے گھر تک پہنچیں۔ رمضان میں تراویح کے بعد کے دروس، مدارس کے سالانہ جلسے اور ختمِ بخاری کی تقاریب بھی اشاعتِ حدیث کے مؤثر ذرائع

ثابت ہوئے، جن میں شرکاء حدیث سنتے، سنت کا مفہوم سمجھتے اور اپنے بچوں کو مدارس میں داخل کرانے کی ترغیب پاتے تھے۔ خواتین کے لیے پردے کے اہتمام کے ساتھ دروس اور گھریلو تعلیم کی صورتیں بھی اسی ماحول سے پیدا ہوئیں۔ اس طرح مدرسے نے حدیث کو خواص کے علم سے نکال کر عوام کی زندگی کا حصہ بنایا، البتہ علمی گہرائی اور اسناد کی سطح ہمیشہ مدرسے ہی کے پاس محفوظ رہی۔

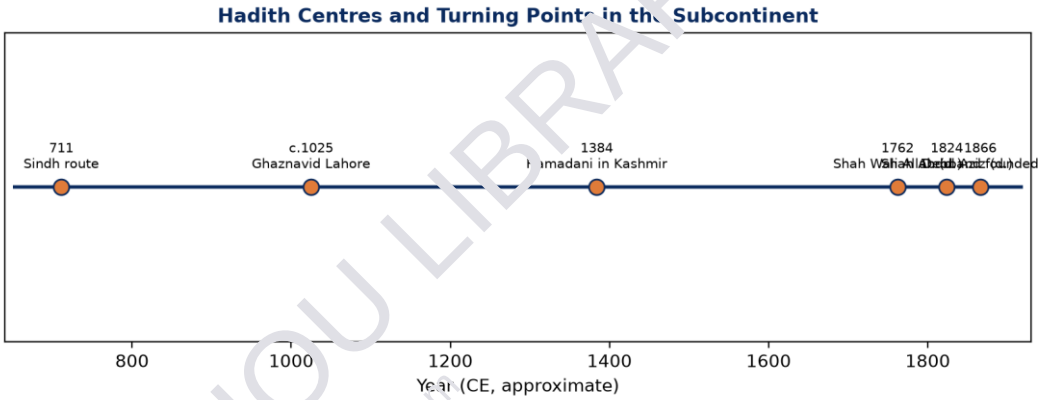

شکل 1: برصغیر میں علمِ حدیث کے مراکز و ادوار کی زمانی ترتیب (تقریبی عیسوی سال)

مشکل ادوار میں حفاظت کا کردار

برصغیر کی تاریخ میں کئی ادوار ایسے آئے جب سیاسی اقتدار زوال پذیر ہوا، بیرونی حملے ہوئے یا نوآبادیاتی حکومت نے دینی تعلیم کے سرپرستی نظام کو ختم کر دیا۔ مؤرخین نقل کرتے ہیں کہ بعض ادوار میں ہندوستان میں حدیث اس قدر کم یاب ہو گئی کہ مشکاۃ المصابیح سے آگے کی کتابیں پڑھنے پڑھانے والے گنے چنے رہ گئے تھے اور امام صغانی کی مشارق الانوار ہی حدیث کا آخری درجہ سمجھا جاتا تھا۔ ایسے ہر دور میں احیاء کا کام مدارس ہی سے شروع ہوا: کبھی شیخ عبد الحق دہلوی نے حجاز سے واپس آ کر دہلی میں درس آباد کیا، کبھی خاندانِ ولی اللہی نے رحیمیہ کو زندہ رکھا، اور 1857ء کے بعد جب پرانا نظام بکھر گیا تو دیوبند کی صورت میں عوامی چندے پر چلنے والا نیا مدرسی نظام کھڑا ہوا جس نے ثابت کر دیا کہ مدرسہ حکومت کی سرپرستی کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ وقف، چندہ اور سادہ طرزِ زندگی نے مدارس کو وہ استقلال دیا جو سیاسی تبدیلیوں سے متاثر نہیں ہوتا۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ برصغیر میں علمِ حدیث کی اشاعت میں دینی مدارس کا کردار مرکزی، ہمہ جہت اور فیصلہ کن رہا ہے۔ انہوں نے نصاب کے ذریعے حدیث کو ہر عالم کے لیے لازمی بنایا، اسناد و اجازہ کے ذریعے اس کا تسلسل قائم رکھا، کتب خانوں اور شروح کے ذریعے اس کے ذخیرے کو محفوظ کیا، اساتذہ و محدثین کی نسلیں تیار کیں اور عوامی دروس کے ذریعے سنت کو گھر گھر پہنچایا۔ جب جب یہ ادارے کمزور پڑے، حدیث کا چراغ ماند پڑا، اور جب جب یہ مضبوط ہوئے، پورا خطہ حدیث کی روشنی سے جگمگا اٹھا۔ اسی لیے برصغیر میں علمِ حدیث کی تاریخ درحقیقت اس کے مدارس کی تاریخ ہے، اور آگے کے سوالات میں جن شخصیات، مراکز اور تحریکوں کا ذکر آئے گا وہ سب اسی درخت کی شاخیں ہیں۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ اس کردار کو صرف ماضی کی داستان نہ سمجھے بلکہ اس اصول کو بھی سمجھے کہ علم اسی وقت زندہ رہتا ہے جب اسے سکھانے والا منظم ادارہ موجود ہو۔

سوال نمبر 2: درِ خیبر کے راستے سے آنے والے پہلے محدث کی خدمات (20 نمبر)

سوال نمبر 2۔ درِ خیبر کے راستے سے ہندوستان میں آنے والے پہلے محدث کی خدمات پر جامع نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

برصغیر میں اسلام اور علومِ اسلامیہ کی آمد کے دو بڑے راستے تاریخ میں مشہور ہیں: ایک جنوبی سمندری اور سندھ کا راستہ، جس سے عرب تاجر، مبلغین اور پھر محمد بن قاسم کی فوج کے ساتھ علماء و تابعین داخل ہوئے، اور دوسرا شمالی خشکی کا راستہ، جو وسط ایشیا اور افغانستان کو درۂ خیبر کے ذریعے پشاور اور پنجاب سے جوڑتا تھا۔ سندھ کے راستے سے آنے والے ابتدائی اہلِ علم میں تابعی ربیع بن صبیح بصری جیسی شخصیات کا ذکر ملتا ہے جن کی آمد دوسری صدی ہجری میں ہوئی۔ اس کے برعکس شمالی راستے سے علم کی باقاعدہ آمد غزنوی دور میں شروع ہوئی، جب خراسان وماوراء النہر کے علماء کے قافلے اسی درے سے گزر کر لاہور اور پھر آگے ہندوستان میں پہنچے۔ اس سوال میں اسی شمالی راستے سے آنے والے ابتدائی محدثین اور ان کی خدمات کا جائزہ مقصود ہے، جنہوں نے ہندوستان کے شمالی شہروں میں پہلی بار اسناد کے ساتھ حدیث کی باقاعدہ روایت قائم کی۔

ایک اہم وضاحت: ’پہلے محدث‘ کی تعیین

اس مقام پر طالب علم کے لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں ’پہلے محدث‘ کی تعیین میں اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ ابتدائی صدیوں کے حالات کی تفصیل مکمل طور پر محفوظ نہیں رہی۔ بعض مؤرخین سندھ کے راستے سے آنے والوں کو اولیت دیتے ہیں اور بعض غزنوی دور کے لاہوری حلقے کو شمالی ہندوستان میں حدیث کی پہلی باقاعدہ روایت قرار دیتے ہیں۔ اس لیے اس گائیڈ میں کسی غیر تصدیق شدہ نام کو حتمی اور قطعی بنا کر پیش کرنے کے بجائے وہ مستند تاریخی خاکہ پیش کیا گیا ہے جو مؤرخینِ برصغیر کے یہاں عمومی طور پر معروف ہے: غزنوی دور میں خراسان سے آنے والے علماء نے لاہور کو پہلا شمالی مرکز بنایا، وہاں درسِ حدیث کے حلقے قائم ہوئے، اور اسی دور کے لاہوری ماحول سے امام رضی الدین حسن صغانی جیسے محدث پیدا ہوئے جن کی کتاب مشارق الانوار صدیوں تک برصغیر میں حدیث کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب رہی۔ طالب علم امتحان میں اپنی کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹ میں دی گئی تعیین کو سامنے رکھ کر اسی خاکے کو اپنی تحریر کی بنیاد بنائے۔

درۂ خیبر: راستے کا جغرافیہ اور تاریخی اہمیت

درۂ خیبر لنڈی کوتل کے قریب افغانستان اور موجودہ پاکستان کی سرحد پر واقع وہ مشہور پہاڑی گزرگاہ ہے جو جلال آباد و کابل کو پشاور سے ملاتی ہے۔ قدیم زمانے سے فوجی مہمات، تجارتی قافلے اور علمی سفر اسی راستے سے ہوتے رہے۔ اسلامی دور میں جب غزنی وسط ایشیا کی علمی دنیا سے جڑا ہوا مرکز بنا تو خراسان، بخارا اور غزنی کے علماء کے لیے ہندوستان کا قدرتی دروازہ یہی درہ تھا۔ جو عالم اس راستے سے آتا وہ پہلے پشاور اور اٹک، پھر لاہور پہنچتا، اور لاہور اس دور میں غزنوی سلطنت کا مشرقی دارالحکومت اور سرحدی علمی چھاؤنی تھا۔ اس لیے شمالی ہندوستان میں حدیث کی تاریخ کا آغاز لاہور ہی سے ہوتا ہے۔ یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ راستے محض جغرافیہ نہیں ہوتے؛ جس راستے سے علماء آتے ہیں، اسی کے ساتھ ان کی اسناد، ان کی کتابیں، ان کے مذاہب و رجحانات اور ان کے علمی مراکز کا نقشہ بھی منتقل ہوتا ہے۔ خیبر کے راستے سے آنے والا علمی قافلہ اپنے ساتھ خراسانی روایتِ حدیث لے کر آیا، جس میں سماع، قراءت اور اجازے کی سختی معروف تھی۔

غزنوی لاہور: پہلا شمالی علمی مرکز

محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد لاہور میں مسلم آبادی، مساجد اور علماء کی کثرت ہوئی۔ یہاں کے ابتدائی علمی ماحول میں صوفی و عالم شیخ علی ہجویری (وفات تقریباً 465ھ) کی آمد اور قیام غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ غزنی کے راستے لاہور آئے، یہاں تعلیم و ارشاد کا سلسلہ جاری کیا اور ان کی تصنیف کشف المحجوب میں قرآن و حدیث پر مبنی تعلیمات محفوظ ہوئیں۔ وہ محدث کے خاص لقب سے زیادہ صوفی مصلح کے طور پر مشہور ہیں، مگر ان کے حلقے نے لاہور میں کتاب و سنت کی تعلیم کو مقامی زندگی سے جوڑ دیا، جو بعد کی باقاعدہ تدریسِ حدیث کی زمین ہموار کرنے کے مترادف تھا۔ اسی دور اور اس کے بعد کے ادوار میں لاہور، ملتان اور اچ کے مراکز میں حدیث سمیت دینی علوم پڑھائے جانے لگے، اور یہ شہر آگے دہلی سلطنت کے علمی نظام کی بنیاد بنے۔ اس ابتدائی دور کی خدمات کا بڑا حصہ انفرادی دروس، مسجدی حلقوں اور خانقاہی تعلیم کی صورت میں تھا، باقاعدہ بڑے مدارس کا جال بعد میں پھیلا۔

امام صغانی اور مشارق الانوار

شمالی روایت کی سب سے نمایاں اور دستاویزی طور پر واضح کڑی امام رضی الدین حسن بن محمد صغانی ہیں، جو لاہور میں پیدا ہوئے (وفات 650ھ بغداد) اور حدیث و لغت کے امام مانے جاتے ہیں۔ ان کی کتاب مشارق الانوار النبویہ نے برصغیر میں حدیث کی اشاعت میں وہ کردار ادا کیا جو کم کتابوں کو نصیب ہوا۔ یہ کتاب صحاح کی منتخب احادیث کا ایسا مرتب مجموعہ ہے جو صدیوں تک ہندوستان کے مدارس و خانقاہوں میں پڑھایا جاتا رہا۔ مؤرخین نے افسوس سے ذکر کیا ہے کہ ایک دور میں ہندوستان کے علماء کی حدیث میں منتہا یہی کتاب ہو گئی تھی؛ اس سے جہاں اس کتاب کی مقبولیت ظاہر ہوتی ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لاہور سے شروع ہونے والی شمالی روایت نے آگے چل کر محدود ذخیرے پر قناعت کر لی تھی، جسے بعد کے محدثین نے وسعت دی۔ صغانی کی شخصیت اس بات کی دلیل ہے کہ خیبر کے راستے سے آنے والی علمی لہر نے صرف باہر سے علم درآمد نہیں کیا بلکہ اس سرزمین میں ایسے محدث پیدا کیے جن کی تصانیف عالمِ اسلام میں پڑھی گئیں۔

جدول 1: برصغیر میں آمد کے دو راستے — ایک موازنہ

پہلو	سندھ / سمندری راستہ	درۂ خیبر / شمالی راستہ
داخلے کا محور	دیبل، ملتان کا جنوبی حصہ، سندھ	پشاور، اٹک، لاہور
نمایاں دور	پہلی و دوسری صدی ہجری	پانچویں صدی ہجری کے بعد غزنوی دور
علمی مزاج	عملی روایت، تابعین و تبع تابعین کی آمد	خراسانی روایت، اسناد و سماع کی سختی
پہلا بڑا مرکز	سندھ کے شہر و مساجد	لاہور، بعد ازاں دہلی
مقامی ثمرہ	سندھی محدثین و رواۃ کی روایت	امام صغانی جیسے لاہور زاد محدث، مشارق الانوار

خدمات کا جائزہ

شمالی راستے سے آنے والے ابتدائی محدثین اور ان کے حلقوں کی خدمات کو چند عنوانات میں جمع کیا جا سکتا ہے۔ اول، انہوں نے نئی مسلم آبادیوں میں حدیث کا پہلا درس قائم کیا؛ نماز، طہارت، نکاح، معاملات اور اخلاق سے متعلق بنیادی احادیث انہی حلقوں سے عام ہوئیں۔ دوم، انہوں نے اسناد کا تصور منتقل کیا؛ مقامی طلبہ پہلی بار اس باقاعدہ طریقے سے آشنا ہوئے کہ حدیث استاد سے سماع کر کے، اس کی سند کے ساتھ آگے بیان کی جاتی ہے۔ سوم، انہوں نے کتابیں ساتھ لائیں اور مقامی کتب خانوں کی بنیاد رکھی؛ اس دور میں کتاب کی آمد ہی علم کی آمد تھی، کیونکہ نسخے نایاب اور قیمتی ہوتے تھے۔ چہارم، انہوں نے مقامی زبانوں اور ماحول سے ربط پیدا کیا؛ وعظ، ارشاد اور خانقاہی تربیت کے ذریعے حدیث کے مفاہیم مقامی زندگی میں اترے۔ پنجم، انہوں نے مقامی صلاحیت کو پروان چڑھایا؛ لاہور اور اس کے گرد و نواح سے اٹھنے والے طلبہ نے آگے چل کر خود تدریس سنبھالی، جس کا بہترین نمونہ امام صغانی کی شخصیت ہے۔ ششم، انہوں نے شمالی ہندوستان کو عالمِ اسلام کے علمی نقشے سے جوڑا؛ اب لاہور کا طالب علم بغداد، نیشاپور اور غزنی کے سلسلوں سے منسلک سمجھا جانے لگا۔

حدود اور بعد کا تسلسل

انصاف کا تقاضا ہے کہ اس ابتدائی دور کی حدود بھی بیان کی جائیں۔ اس دور میں حدیث کی سرگرمی سیاسی سرپرستی اور چند مراکز تک محدود رہی؛ عام مدارس کا وسیع نظام، صحاحِ ستہ کی مکمل تدریس اور بڑی شروح کا دور ابھی نہیں آیا تھا۔ منگول فتنے اور سیاسی انتشار نے بھی علمی تسلسل کو متاثر کیا، اور آگے چل کر فقہ و تصوف کے غلبے کے ساتھ حدیث کا مطالعہ منتخب مجموعوں تک سمٹ گیا۔ تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ابتدائی محدثین کی خدمت کم ہے؛ ہر عمارت کی بنیاد اس کے کمرے جتنی نمایاں نہیں ہوتی، مگر عمارت اسی پر کھڑی ہوتی ہے۔ دہلی سلطنت، پھر شیخ عبدالحق دہلوی کی تجدیدی کوشش، اور پھر خاندانِ ولی اللہی کا عروج — یہ سب اسی بنیاد پر قائم ہوئے جو شمالی راستے سے آنے والے اولین اہلِ حدیث نے لاہور و ملتان میں رکھ دی تھی۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ درۂ خیبر کے راستے سے آنے والے ابتدائی محدثین نے برصغیر کے شمالی حصے میں علمِ حدیث کی پہلی شمع روشن کی۔ انہوں نے لاہور کو مرکز بنایا، اسناد و سماع کی روایت منتقل کی، کتابیں اور درس گاہیں قائم کیں اور مقامی اہلِ علم کی ایسی نسل تیار کی جس میں امام صغانی جیسی عالمگیر شخصیت پیدا ہوئی۔ ’پہلا محدث‘ کی شخصی تعیین میں مؤرخین کا اختلاف اپنی جگہ، مگر اس راستے کی تاریخی اہمیت مسلّم ہے: یہی وہ دروازہ ہے جہاں سے خراسان کی علمی روایت ہندوستان میں داخل ہوئی اور پھر دہلی، جون پور اور گجرات تک پھیل گئی۔ طالب علم کے لیے اس سوال کا اصل سبق یہ ہے کہ علم کی تاریخ راستوں، مراکز اور اداروں سے بنتی ہے؛ شخصیت کی خدمت اسی تناظر میں سمجھ آتی ہے۔

سوال نمبر 3: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی حیات و خدمات (20 نمبر)

سوال نمبر 3۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی حیات و خدمات پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔ (20)

تعارف

برصغیر میں علمِ حدیث کی تاریخ کا سب سے روشن باب خاندانِ شاہ ولی اللہ ہے، اور اس خاندان کی دوسری نسل کے سب سے بڑے نام حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (1159ھ–1239ھ / 1746ء–1824ء) ہیں۔ وہ شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحب زادے، ان کے علمی وارث اور مدرسہ رحیمیہ دہلی کے صدر مدرس تھے۔ جس دور میں وہ پیدا ہوئے، ہندوستان میں مغلیہ سلطنت زوال کا شکار تھی، دہلی بار بار حملوں کی زد میں آئی اور مسلمانوں کی سیاسی طاقت بکھر رہی تھی۔ ایسے میں شاہ عبدالعزیز نے تلوار کے بجائے درس، قلم اور فتوے سے امت کی رہنمائی کی؛ حدیث کی تدریس کو رواج دیا، عقائد و معاملات پر لکھا، اور ہندوستان کے دینی مستقبل کی سمت متعین کی۔ ان کی حیات و خدمات کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ بعد کا تقریباً تمام دینی نظام — دیوبند، ندوہ، اہلِ حدیث کی تحریک اور دہلی کا مدرسی سلسلہ — کسی نہ کسی طرح ان کے فیض سے جڑا ہوا ہے۔

پیدائش، خاندان اور تعلیم

شاہ عبدالعزیز دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شاہ ولی اللہ (1114ھ–1176ھ) برصغیر کے مجدد عالم تھے جنہوں نے حجاز سے حدیث کی اعلیٰ اسناد حاصل کیں، موطا صحاح کی تدریس شروع کی اور قرآن مجید کا فارسی ترجمہ کیا۔ شاہ عبدالعزیز نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، مگر وہ ابھی نوجوان ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا، پس ان کی تکمیلی تعلیم خاندان کے بزرگوں اور والد کے تلامذہ کے پاس ہوئی۔ طبیعت میں غیر معمولی ذہانت، حافظہ اور خطابت کا جوہر تھا۔ نوجوانی ہی سے درس و تصنیف میں مشغول ہو گئے اور والد کے بعد مدرسہ رحیمیہ کی مسند سنبھالی جو تقریباً نصف صدی تک ان کے پاس رہی۔ طالب علمانہ زندگی کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ کتاب کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے حالات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے؛ اسی لیے ان کی تحریروں میں حدیث و فقہ کے ساتھ سیاسی و سماجی شعور بھی ملتا ہے۔ ان کی زندگی مستقل علالت میں گزری، مگر بیماری ان کے درس و قلم کا راستہ نہ روک سکی، بلکہ کہا جاتا ہے کہ وہ بستر پر بھی املا کراتے اور مسئلے حل کرتے رہتے تھے۔

تدریسِ حدیث اور مدرسہ رحیمیہ

شاہ عبد العزیز کی سب سے بڑی خدمت تدریس ہے۔ مدرسہ رحیمیہ ان کے دور میں ہندوستان کا سب سے بڑا مرکزِ حدیث بن گیا۔ دور دور سے طلبہ دہلی آتے، صحاحِ ستہ اور موطا پڑھتے اور اجازہ لے کر اپنے علاقوں کو لوٹتے۔ ان کا درس صرف متن خوانی نہیں تھا؛ وہ حدیث کے مفہوم، اس کے فقہی و کلامی پہلو، اور اس کے عصری اطلاق پر گفتگو کرتے تھے، اس لیے ان کے درس میں محدثین کے ساتھ فقہاء، صوفیہ اور بعض اوقات سیاست بھی بیٹھتے تھے۔ ان کے مشہور تلامذہ میں خود ان کے بھتیجے و جانشین شاہ اسحٰق دہلوی، شاہ عبد القادر و شاہ رفیع الدین (قرآن کے اردو مترجمین اور ان کے چھوٹے بھائی)، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، اور سید احمد بریلوی جیسی شخصیات شامل ہیں جنہوں نے آگے چل کر ہندوستان کی دینی تاریخ بدل دی۔ تدریس کے ساتھ انہوں نے اپنے والد کی علمی میراث کو بھی منظم کیا۔ ولی اللہی خاندان کی اسناد ان کے واسطے سے پورے ہندوستان میں پھیل گئیں۔

تصانیف: ایک جامع جائزہ

شاہ عبد العزیز کثیر التصانیف عالم ہیں۔ حدیث کے میدان میں ان کی سب سے اہم کتاب 'بستان المحدثین' ہے جو محدثین اور کتبِ حدیث کے تعارف پر لکھی گئی اور آج بھی اس موضوع کی بنیادی مراجع میں شمار ہوتی ہے۔ اصولِ حدیث پر ان کی مختصر مگر جامع کتاب 'عجالہ نافعہ' فارسی میں لکھی گئی، جو اس فن کی تعلیم کا مقبول متن بنی اور بعد میں اردو و عربی میں منتقل ہوئی۔ تفسیر میں 'فتح العزیز' ان کے نام سے موسوم ہے جس کا کچھ حصہ انہوں نے خود لکھا اور باقی ان کے شاگردوں نے ان کے املا و افادات سے مرتب کیا۔ عقائد و مناظرہ میں 'تحفہ اثنا عشریہ' ان کی سب سے مشہور اور متنازع مباحث کو چھیڑنے والی کتاب ہے جس نے ایک پورا علمی مکالمہ پیدا کیا۔ فقہ و فتاویٰ میں 'فتاویٰ عزیزی' ان کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جس میں ہندوستان کے بدلتے حالات کے مسائل پر جرات مندانہ رہنمائی ملتی ہے۔ سرّ الشہادتین نامی رسالہ شہادتِ حسین کے موضوع پر ہے۔ یہ تصانیف بتاتی ہیں کہ وہ یک رخی محدث نہیں تھے بلکہ حدیث کو مرکز بنا کر پورے دینی علوم کو سنبھالنے والے جامع عالم تھے۔

جدول 1: شاہ عبد العزیز کی نمایاں تصانیف اور ان کے موضوعات

کتاب	موضوع	اہمیت
بستان المحدثین	محدثین وکتبِ حدیث کا تعارف	برصغیر میں تاریخِ حدیث کی بنیادی مرجع کتاب
عجالہ نافعہ	اصولِ حدیث	مختصر تدریسی متن؛ اردو/عربی تراجم کے ساتھ رائج
تحفہ اثنا عشریہ	عقائد وردّ ومناظرہ	ایک وسیع علمی مکالمے کا آغاز کرنے والی تصنیف
فتاویٰ عزیزی	فقہ وفتاویٰ	بدلتے سیاسی حالات میں دینی رہنمائی کا دستاویزی خزانہ
فتح العزیز	تفسیرِ قرآن	جزوی تصنیف وشاگردوں کی مرتب کردہ تکمیل

فتویٰ اور عصری رہنمائی

شاہ عبد العزیز کا ایک تاریخی کارنامہ ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال پر ان کا مشہور موقف ہے۔ جب انگریزوں کا اقتدار دہلی تک پہنچ گیا تو ان سے استفتاء ہوا؛ ان کا فتویٰ تاریخی طور پر اس بحث کی بنیاد بنا کہ ایسی سرزمین جہاں مسلمان آزادی سے اپنے شرعی احکام پر عمل نہ کر سکیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے۔ اس فتوے کے الفاظ، دائرہ کار اور اطلاق پر اہلِ علم میں ہمیشہ بحث رہی ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کو مختلف علماء نے مختلف انداز میں سمجھا ہے؛ یہ گائیڈ اسے خالصتاً علمی و تاریخی واقعے کے طور پر بیان کرتی ہے، کسی شخص یا جماعت پر کسی حکم کا اطلاق اہلِ علم اور متعلقہ فورمز کا کام ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز نے فتوے کو کتابی مسئلہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے امت کی زندگی سے جوڑا؛ ان کے فتاویٰ میں انگریزی تعلیم، ملازمت، سود، بینکاری کے ابتدائی مسائل اور ہندوؤں و انگریزوں کے ساتھ معاملات جیسے نئے موضوعات پر رہنمائی ملتی ہے، جو ان کی فقاہت اور زمانہ شناسی کی دلیل ہے۔

اثرات اور جانشینی

شاہ عبد العزیز کے اثرات ان کی زندگی سے کہیں زیادہ وسیع نکلے۔ ان کے شاگرد و جانشین شاہ اسحٰق نے دہلی کے مرکز کو آگے بڑھایا اور پھر مکہ مکرمہ منتقل ہو کر وہاں سے بھی ہندوستانی اسناد کو جوڑے رکھا۔ ان کے تلامذہ کی اگلی نسل نے دیوبند، سہارنپور اور لکھنؤ کے اداروں کی بنیادوں میں حصہ لیا یا ان کے اساتذہ کو فیض پہنچایا۔ سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک بھی اسی حلقے سے نکلی، جس نے قرآن و حدیث کی براہِ راست رجوع کا نعرہ عام کیا؛ اس تحریک کے تاریخی جائزے میں اہلِ علم کے مختلف نقطہائے نظر موجود ہیں، مگر اس کے سندی تعلق سے انکار مشکل ہے۔ خاندانِ ولی اللہی کی قرآن کے اردو ترجمے کی تحریک، جسے شاہ عبد القادر و شاہ رفیع الدین نے مکمل کیا، اسی گھر کی دین ہے اور شاہ عبد العزیز اس کے سرپرست تھے۔ یوں ان کی خدمات کا دائرہ تدریس، تصنیف، فتویٰ، تربیت اور فکری رہنمائی — پانچوں میدانوں میں پھیلا ہوا ہے۔

وفات اور علمی ورثہ

شاہ عبد العزیز نے 1239ھ / 1824ء میں دہلی میں وفات پائی۔ ان کے انتقال کے ساتھ دہلی کا وہ درس بھی بکھرنے لگا جو نصف صدی سے ہندوستان کا محور تھا، مگر ان کے تلامذہ اور اسناد نے اس فیض کو دوسرے شہروں منتقل کر دیا۔ ان کا علمی ورثہ تین چیزوں میں ظاہر ہوتا ہے: اول، حدیث کی وہ مرکزی حیثیت جو برصغیر کے نصاب میں آج بھی قائم ہے؛ دوم، مسئلے کو حدیث کی روشنی میں دیکھنے کا وہ مزاج جو ولی اللہی مکتب کی پہچان بنا؛ سوم، اسناد کا وہ سلسلہ جو ان کے واسطے سے آج کے مدارس تک پہنچتا ہے۔ ان کی سوانح پر متعدد کتابیں لکھی گئیں اور بستان المحدثین جیسی تصانیف جدید تحقیقات میں آج بھی حوالہ بنتی ہیں۔ طالب علم کے لیے ان کی زندگی کا سبق یہ ہے کہ کمزور صحت، سیاسی زوال اور محدود وسائل کے باوجود مسلسل درس و قلم سے ایک فرد پورے خطے کی علمی سمت بدل سکتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی برصغیر میں علمِ حدیث کے احیاء کی دوسری اور فیصلہ کن کڑی ہیں۔ والد نے جو پودا حجاز کی اسناد سے لا کر لگایا تھا، انہوں نے اسے مدرسہ رحیمیہ کے درس، بستان المحدثین و عجالہ نافعہ جیسی تصانیف اور تاریخ و تذکرہ کی عظیم جماعت کے ذریعے تناور درخت بنا دیا۔ ان کا دور اگرچہ سیاسی زوال کا دور تھا مگر علمی اعتبار سے وہ عروج کا زمانہ ثابت ہوا، کیونکہ انہوں نے امت کو اقتدار کی محرومی کے بدلے علم کی دولت سے دیا۔ ان کے بغیر برصغیر میں حدیث کی جدید تاریخ لکھی ہی نہیں جا سکتی۔

سوال نمبر 4: امیر کبیر سید علی ہمدانی اور ترویجِ علمِ حدیث (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ امیر کبیر سید علی ہمدانی اور علم حدیث کی ترویج کے لئے کی گئی خدمات بیان کریں۔ (20)

تعارف

امیر کبیر میر سید علی ہمدانی (714ھ۔786ھ / 1314ء۔ 1385ء) برصغیر خصوصاً کشمیر کی دینی تاریخ کی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے ہاتھوں وادیِ کشمیر میں اسلام عام ہوا، خانقاہی نظام قائم ہوا، اور قرآن و سنت کی تعلیم مقامی زبان و ثقافت سے ہم آہنگ ہو کر پھیلی۔ وہ ہمدان (ایران) کے سادات گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، سلسلۂ کبرویہ سے وابستہ تھے اور اپنے دور فقاء اور مریدوں کے بڑے قافلے کے ساتھ کشمیر تشریف لائے۔ ان کی خدمات کا بنیادی میدان تصوف و ارشاد تھا، مگر ان کی تعلیم کا مادہ قرآن و حدیث ہی تھا؛ اوراد، معمولات، اخلاقی تربیت اور سماجی اصلاح — ہر چیز کو انہوں نے سنت کی بنیاد پر کھڑا کیا۔ اس سوال میں ان کی سوانح کا ضروری خاکہ اور خاص طور پر علمِ حدیث کی ترویج میں ان کی خدمات کا جائزہ پیش کیا جائے گا، تاکہ طالب علم سمجھ سکے کہ برصغیر میں حدیث کی اشاعت صرف مدارس سے نہیں، خانقاہوں اور مبلغ صوفیاء کے ذریعے بھی ہوئی ہے۔

پیدائش، خاندان اور تعلیم

سید علی ہمدانی ہمدان میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب اہلِ بیت سے جا ملتا ہے، اسی لیے کشمیر میں انہیں 'امیر کبیر' یعنی بڑے امیر / سید کے لقب سے یاد کیا گیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے خاندان اور ہمدان کے علماء سے حاصل کی؛ قرآن، حدیث، فقہ اور تصوف کے اسباق پڑھے اور کم عمری ہی میں سلسلۂ کبرویہ کے بزرگ شیخ علاء الدولہ سمنانی کے حلقے سے وابستہ ہوئے، جن کے مرشد شیخ نجم الدین کبریٰ اس سلسلے کے بانی تھے۔ [illegible] نگار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے طلبِ علم اور زیارت و ارشاد کے لیے وسیع سفر کیے؛ مختلف روایات میں ان کے سفروں کی تعداد اور مدت میں اختلاف ملتا ہے، اس لیے اس گائیڈ میں کوئی متنازع عدد قطعی طور پر نہیں دیا جا رہا۔ تاریخی طور پر ثابت بات یہ ہے کہ وہ علم و عمل کے جامع تھے، عربی و فارسی پر عبور رکھتے تھے، اور ان کی تربیت میں خانقاہ کے ساتھ مدرسے کا رنگ بھی شامل تھا—یہی امتزاج آگے کشمیر میں ان کی کامیابی کی بنیاد بنا۔

کشمیر آمد اور قیام

سید علی ہمدانی کئی مرتبہ کشمیر آئے اور آخری قیام کے دوران انہوں نے یہاں باقاعدہ اشاعتِ اسلام کا کام شروع کیا۔ روایتی روایات کے مطابق ان کے ساتھ اہلِ علم، اہلِ ہنر اور مریدوں کی بڑی جماعت تھی؛ ان میں سے بہت سے کشمیر ہی میں آباد ہو گئے۔ انہوں نے سرینگر میں دریائے جہلم کے کنارے خانقاہ قائم کی جو آج خانقاہِ معلّٰی کے نام سے مشہور ہے اور وادی کا دینی مرکز بنی رہی۔ ان کی آمد ایسے وقت میں ہوئی جب کشمیر میں سماجی و مذہبی تبدیلی کا دور شروع ہو چکا تھا؛ سلاطینِ کشمیر کے بعض حکمرانوں نے انہیں عزت دی اور ان کے مشورے سے دینی کاموں کو سرپرستی ملی۔ مگر ان کی اصل طاقت دربار نہیں، عوام تھے: انہوں نے مقامی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کی، مقامی رسم و رواج کے جائز پہلوؤں کو برقرار رکھ کر دینی تعلیم دی، اور کشمیری مسلمانوں کو کتاب و سنت سے اس انداز میں جوڑا کہ تبدیلی پائیدار ثابت ہوئی۔

تعلیمِ حدیث کا طریقہ: اوراد، معمولات اور تربیت

سید علی ہمدانی کی ترویجِ حدیث کا سب سے مخصوص ذریعہ ان کے مرتب کردہ معمولات ہیں۔ ان کا مشہور مجموعہ 'اورادِ فتحیہ' نماز و اذکار کے ان مسنون کلمات پر مشتمل ہے جو احادیث سے ماخوذ ہیں؛ کشمیر کے مسلمان صدیوں سے فجر کے بعد اسے اجتماعی طور پر پڑھتے آ رہے ہیں اور یہ روایت مساجد و خانقاہوں میں آج بھی زندہ دیکھی جا سکتی ہے۔ غور

کریں تو یہ اشاعتِ حدیث کی ایک عمدہ عملی صورت ہے: ہزاروں عام مسلمان، جنہیں عربی متن پڑھنا نہیں آتا تھا، روزانہ درجنوں مسنون دعائیں اور اذکار زبان سے ادا کر رہے تھے اور ان کے مفاہیم سے واقف ہو رہے تھے۔ اسی طرح انہوں نے مریدوں کی تربیت میں سیرت و سنت کو نصاب بنایا: کھانے پینے، مجلس، مہمان نوازی، کسبِ حلال اور اخلاق کے آداب احادیث کی روشنی میں سکھائے۔ ان کی خانقاہ میں قرآن و حدیث کا درس باقاعدہ معمول تھا اور ان کے خلفاء مختلف علاقوں میں یہی طریقہ لے کر گئے۔ یوں سنت محض کتابی علم نہ رہی بلکہ روزمرہ زندگی کا معمول بن گئی — اور اشاعت کی یہی سب سے گہری صورت ہے۔

تصانیف اور علمی ورثہ

سید علی ہمدانی متعدد رسائل و تصانیف کے مصنف ہیں جن میں سے اکثر فارسی میں ہیں۔ ان کی مشہور کتاب 'ذخیرۃ الملوک' حکمرانوں اور اہلِ اقتدار کے لیے اخلاقی و دینی رہنمائی کی کتاب ہے جس میں قرآن و حدیث کے دلائل سے عدل، رعایا کے حقوق اور حکمران کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا کشمیر کے سیاسی اخلاق پر گہرا اثر رہا۔ اس کے علاوہ سلوک و تصوف، عقائد اور فقہی مسائل پر ان کے رسائل ملتے ہیں، اور بعض رسائل کے انتساب میں محققین نے بحث بھی کی ہے، اس لیے طالب علم کو چاہیے کہ کسی رسالے کا حوالہ دیتے وقت مستند تحقیق کی طرف رجوع کرے۔ ان کی تصانیف کا حدیث سے تعلق یہ ہے کہ وہ اپنے مواعظ و ارشادات کی بنیاد آیات و احادیث پر رکھتے ہیں، جگہ جگہ احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور مریدوں کو سنت کی پیروی کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے خطوط و مکتوبات بھی اسی مزاج کے گواہ ہیں۔ علمی ورثے کی دوسری بڑی صورت ان کے خلفاء و تلامذہ ہیں جنہوں نے کشمیر کے مختلف حصوں، لداخ و بلتستان کے راستوں اور پنجاب کے سرحدی علاقوں میں خانقاہیں و درس گاہیں قائم کیں۔

سماجی و معاشی خدمات اور ان کا سنت سے ربط

امیر کبیر کی خدمات کا ایک پہلو ایسا ہے جسے اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے مگر جو ان کی سنت فہمی کو ظاہر کرتا ہے: انہوں نے اپنے ساتھ آنے والے ہنرمندوں کے ذریعے کشمیر میں قالین بافی، شال بافی، پاپیے ماشے، خطاطی اور دیگر دست کاریاں متعارف کرائیں، جن سے وادی کی معیشت صدیوں تک چلتی رہی۔ اسے دینی تاریخ میں اس لیے اہم سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے دین کو صرف عبادت نہیں، حلال روزی، محنت اور سماجی خدمت کے ساتھ جوڑا — اور یہ عین وہی تعلیم ہے جو احادیث میں کسبِ حلال اور محنت کی فضیلت کے

باب میں آئی ہے۔ انہوں نے اوقاف کا نظام، لنگر اور مسافر خانے قائم کیے، مساجد بنوائیں، اور مختلف طبقات کے درمیان مصالحت و بھائی چارے کی تعلیم دی۔ حکمرانوں کو عدل کی نصیحت اور عوام کو صبر و استقامت کی تلقین ان کا معمول رہی۔ اس طرح کشمیر میں جو اسلامی معاشرہ بنا، اس کی بنیاد میں سنت کی اخلاقی تعلیمات کارفرما تھیں، اور یہی ان کی ترویجِ حدیث کی سماجی صورت ہے۔

جدول 1: سید علی ہمدانی کی خدمات کے میدان اور ذرائع

حدیث سے تعلق	ذریعہ	میدان
مسنون دعاؤں و اذکار کی روزانہ عوامی تلاوت	اورادِ فتحیہ کی تلقین و رواج	عبادت و اذکار
آداب و اخلاق کی سیرت و سنت پر مبنی تربیت	خانقاہِ معلّی و خلفاء کا جال	تربیت و سلوک
احادیث سے ماخوذ عدل و حقوق کی تعلیم	ذخیرۃ الملوک؛ سلاطین کو نصیحت	حکمرانی و سماج
کسبِ حلال و سماجی خدمت کی نبوی تعلیم کا عملی نمونہ	دست کاریوں کی ترویج، اوقاف و لنگر	معیشت و ہنر

وفات اور بعد کے اثرات

سید علی ہمدانی کا انتقال 786ھ / 1385ء میں ہوا؛ وہ کشمیر سے واپسی کے سفر میں تھے اور ان کی تدفین ختلان (موجودہ تاجکستان کے علاقے) میں ہوئی، جہاں ان کا مزار آج بھی معروف ہے۔ وفات کے بعد ان کا سلسلہ ان کے صاحب زادے میر محمد ہمدانی اور خلفاء کے ذریعے آگے بڑھا؛ کشمیر میں خانقاہیں، مساجد اور درس گاہیں ان کے نام سے وابستہ رہیں، اور وادی میں ’ریشی‘ تحریک سمیت مقامی صوفی روایات پر بھی ان کے اثرات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تاریخِ کشمیر کے مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ وادی میں اسلام کی پائیدار اشاعت کا سہرا ان کے تبلیغی طریقے کو جاتا ہے۔ علمِ حدیث کی ترویج کے تناظر میں ان کا سبق یہ ہے کہ اشاعت کے ذرائع ہمیشہ ایک جیسے نہیں ہوتے: کہیں یہ درسِ صحاح سے ہوتی ہے، کہیں اوراد و سیرت کی عملی تربیت سے؛ امیر کبیر دوسری صورت کے عظیم نمائندے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ امیر کبیر سید علی ہمدانی نے برصغیر کے شمالی مغربی خطے، خصوصاً کشمیر میں، قرآن و سنت کی تعلیم کو عوام کی زندگی میں اتار دیا۔ ان کی خدمات تین دائروں میں نمایاں ہیں: اول، اورادِ فتحیہ جیسے مسنون معمولات کے ذریعے ذکر و شغل کا عوامی رواج؛ دوم، خانقاہی تربیت کے ذریعے سنت کی عملی شکل؛ سوم، ذخیرۃ الملوک جیسی تصانیف اور ہنر و اوقاف کے نظام کے ذریعے سنت کی سماجی تعلیمات کی تنفیذ۔ وہ بیک وقت ید عالم، صوفی، مصلح اور منتظم تھے۔ ان کی شخصیت اس سچائی کی دلیل ہے کہ برصغیر میں علمِ حدیث کی ترویج کی تاریخ مدارس کے ساتھ ساتھ خانقاہوں اور مبلغین کی تاریخ بھی ہے، اور دونوں دھارے مل کر ہی مکمل تصویر بناتے ہیں۔

سوال نمبر 5: عبد المعطی، شہاب الدین عباسی اور ابن حجر ہیتمی: احوال و آثار (20 نمبر)

سوال نمبر 5۔ عبد المعطی، شہاب الدین عباسی اور ابن حجر ہیتمی کے احوال و آثار پر تفصیلی مضمون لکھیں۔ (20)

تعارف

برصغیر میں علمِ حدیث کی ترقی کا ایک بڑا راز یہاں کے علماء کا حجاز، مصر اور عراق کے بڑے مراکز سے علمی ربط رہا ہے۔ دسویں صدی ہجری میں ایک طرف ہندوستان میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی جیسے محدثین تیار ہو رہے تھے اور دوسری طرف مکہ و مدینہ میں ایسے اساتذہ موجود تھے جن کے حلقوں میں ہندوستانی طلبہ بیٹھتے تھے۔ اس سوال میں تین شخصیات کا مطالعہ مقصود ہے جن کا تعلق اسی علمی تبادلے سے ہے: ابن حجر ہیتمی مکی، جو اس دور کے عالمی شہرت یافتہ شافعی فقیہ و محدث تھے؛ اور عبد المعطی و شہاب الدین عباسی، جن کا ذکر برصغیر کی تاریخِ حدیث کی نصابی روایات میں اس دور کے اہلِ علم کے سلسلے میں آتا ہے۔ اس مضمون میں پہلے ایک اہم علمی وضاحت، پھر ابن حجر ہیتمی کی حیات و آثار کی تفصیل، پھر دونوں دیگر شخصیات کے بارے میں دستیاب علمی خاکہ، اور آخر میں اس پورے حلقے کے برصغیر پر اثرات کا جائزہ لیا جائے گا۔

ایک ضروری علمی وضاحت

طالب علم کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ان تینوں شخصیات پر دستیاب معلومات کی مقدار یکساں نہیں ہے۔ ابن حجر ہیتمی کے احوال و تصانیف عالمگیر سوانحی کتب میں وسیع تفصیل کے ساتھ محفوظ ہیں، جبکہ عبد المعطی اور شہاب الدین عباس کے بارے میں تفصیلات زیادہ تر برصغیر کی نصابی و تذکرتی روایات تک محدود ہیں اور ان کی تاریخوں و تصانیف میں روایات کا اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ اس لیے اس گائیڈ میں ابن حجر ہیتمی کے بارے میں مستند اور معروف معلومات درج کی گئی ہیں، جبکہ باقی دو شخصیات کے بارے میں وہی عمومی خاکہ پیش کیا گیا ہے جو ان کے علمی کردار کو واضح کرتا ہے؛ کسی غیر تصدیق شدہ تاریخ، نسبت یا کتاب کو قطعی بنا کر درج نہیں کیا گیا۔ امتحان کی تیاری میں طالب علم اپنی کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹ سے ان شخصیات کی دی گئی تفصیل ضرور ملا لے۔ علمی دیانت کا یہی تقاضا ہے کہ جو بات یقینی ہو وہ یقین سے اور جو روایت ہو وہ روایت کے درجے میں بیان کی جائے۔

ابن حجر ہیتمی: حیات کا خاکہ

شیخ الاسلام شہاب الدین احمد بن محمد بن محمد ابن حجر ہیتمی سعدی انصاری (909ھ۔974ھ) مصر میں پیدا ہوئے، الازہر میں تعلیم پائی اور پھر مکہ مکرمہ منتقل ہو کر وہیں مستقل قیام اختیار کیا، اسی لیے 'مکی' کہلائے۔ وہ فقہِ شافعی کے اپنے دور کے سب سے بڑے مرجع مانے جاتے ہیں؛ ان کی فقہی آرا پر شافعی دنیا میں صدیوں تک عمل ہوتا رہا۔ مگر ان کی علمی جامعیت صرف فقہ تک محدود نہیں تھی؛ حدیث، اصول، تصوف اور عقائد میں بھی ان کی گہری دسترس تھی اور حرم کی درس گاہ میں دنیا بھر سے طلبہ ان کے حلقے میں آتے تھے۔ برصغیر کے تناظر میں ان کی اہمیت یہ ہے کہ ہندوستانی علماء و طلبہ کی بڑی تعداد نے حجاز کے قیام کے دوران ان سے اور ان کے معاصر حلقوں سے استفادہ کیا؛ یہی وہ زمانہ ہے جب گجرات و دکن کے علماء مکہ سے تعلق جوڑ رہے تھے اور متقی گجراتی جیسی شخصیات کے ذریعے حدیث کا ذخیرہ ہندوستان پہنچ رہا تھا۔ ہیتمی کی وفات مکہ میں ہوئی اور وہیں ان کی تدفین ہوئی۔

ابن حجر ہیتمی کے آثار

ابن حجر ہیتمی کی تصانیف کی فہرست طویل ہے؛ یہاں صرف معروف اور حدیث سے متعلق آثار کا ذکر کافی ہو گا۔ فقہ میں 'تحفۃ المحتاج' شرح منہاج شافعی فقہ کی معتبر ترین کتابوں میں ہے، اور 'الفتاویٰ الفقہیہ الکبریٰ' ان کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ حدیث کے میدان میں ان کی سب سے مشہور خدمت امام نووی کی 'الاربعین' کی شرح 'الفتح المبین' ہے جو آج بھی چالیس احادیث کی شروح میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ 'اشرف الوسائل الی فہم الشمائل' ترمذی کی شمائل کی شرح ہے جو سیرت و شمائلِ نبوی کے مطالعے میں مفید رہی۔ عقائد و رد کے میدان میں 'الصواعق المحرقہ' ان کی مشہور کتاب ہے جس پر علمی حلقوں میں بحث و مکالمہ ہوتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ 'الفتاویٰ الحدیثیہ' میں ان کے وہ جوابات ہیں جو احادیث کی تحقیق و درجے کے بارے میں پوچھے گئے، اور اس کتاب سے ان کی حدیث شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان آثار کا برصغیر سے تعلق یہ ہے کہ یہ کتابیں یہاں کے کتب خانوں و نصابوں میں پہنچیں اور شافعی علاقوں بالخصوص مالابار، گجرات و دکن میں ان کا مطالعہ عام ہوا جبکہ حدیث کی شروح کے طور پر پورے خطے کے اہلِ علم نے ان سے استفادہ کیا۔

عبدالمعطی: احوال و کردار کا خاکہ

عبدالمعطی کا ذکر برصغیر کی تاریخِ حدیث کے نصابی مباحث میں ان علماء کے سلسلے میں آتا ہے جنہوں نے دسویں صدی ہجری کے آس پاس حدیث کی تعلیم و اشاعت میں حصہ لیا۔ اس دور کا عمومی نمونہ یہ تھا کہ برصغیر کے اہلِ علم یا تو خود حجاز جا کر وہاں کے محدثین سے اسناد لیتے تھے یا حجاز سے آنے والے اہلِ علم کی صحبت میں بیٹھ کر مقامی مراکز میں درس قائم کرتے تھے۔ عبدالمعطی کی شخصیت کو اسی نمونے میں سمجھنا چاہیے: ان کی اہمیت کسی ایک ضخیم تصنیف سے زیادہ اس تدریسی و سندی سلسلے سے ہے جس کے ذریعے حدیث کا فیض ان کے حلقے کے طلبہ تک پہنچا۔ نصابی روایات میں ان کے بارے میں جو تفصیلات ـــ جائے پیدائش، اساتذہ اور تلامذہ کے نام ـــ درج ہیں، طالب علم انہیں اپنی کورس بک سے پڑھ کر یاد کرے؛ عمومی تاریخ کی کتابوں میں ان پر مواد کم ملتا ہے، اس لیے اس گائیڈ نے غیر یقینی تفصیل کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے سے احتیاط کی ہے۔ تاہم اتنا تاریخی طور پر واضح ہے کہ اس درجے کی شخصیات ہی نے وہ فضا بنائی جس میں اگلی نسل کے بڑے محدثین، شیخ عبدالحق دہلوی سمیت، پروان چڑھے۔

شہاب الدین عباسی: احوال و کردار کا خاکہ

شہاب الدین عباسی بھی اسی علمی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے نام کا ’عباسی‘ جزو ان کے خاندانی سلسلے کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور برصغیر کی تاریخ میں عباسی النسب علماء و مشائخ کی کئی شاخیں دہلی، گجرات اور دکن میں آباد رہی ہیں جنہوں نے درس و ارشاد کا کام کیا۔ شہاب الدین عباسی کے بارے میں بھی صورت یہی ہے کہ سوانحی تفصیل محدود ہے، مگر ان کا شمار نصابی کتاب میں جن اہلِ حدیث کے ساتھ کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا حلقہ اس دور میں حدیث کی تدریس کے مراکز میں سے تھا۔ اس دور کے ایسے اساتذہ کی خدمات عموماً تین صورتوں میں ظاہر ہوتی تھیں: صحاح و مشکاۃ کی تدریس، طلبہ کو اجازہ و اسناد کی عطا، اور منتخب احادیث کی شروح و حواشی کی تیاری میں شرکت۔ ان خدمات کا اثر فوری شہرت میں نہیں، بلکہ اگلی نسل کے اساتذہ میں نظر آتا ہے۔ اس لیے ان شخصیات کو پڑھتے ہوئے طالب علم کو شخصی تفصیل سے زیادہ نظام کو دیکھنا چاہیے: یہ وہ کڑیاں ہیں جن سے حجاز و ہندوستان کی اسناد جُڑتی تھیں۔ جہاں کورس کی کتاب ان کے مخصوص آثار یا اساتذہ کا ذکر کرے، وہی تفصیل امتحانی جواب کا حصہ بنائی جائے۔

جدول 1: تینوں شخصیات کا تقابلی خاکہ

شخصیت	علمی پہچان	برصغیر سے ربط کی نوعیت
ابن حجر ہیتمی مکی	شافعی فقیہ و محدث؛ تحفۃ المحتاج و الفتح المبین کے مصنف	مکہ کے حلقے سے ہندوستانی طلبہ کا استفادہ؛ آثار کی برصغیر میں اشاعت
عبدالمعطی	دسویں صدی ہجری کے دور کے عالم و مدرسِ حدیث (نصابی روایت)	تدریسی و سندی سلسلے کے ذریعے مقامی اشاعتِ حدیث میں حصہ
شہاب الدین عباسی	اسی نسل کے عالم و صاحبِ حلقہ (نصابی روایت)	درس و اجازے کی روایت؛ حجاز و ہند کے علمی ربط کی کڑی

اس حلقے کے برصغیر پر مجموعی اثرات

ان تینوں شخصیات کو ایک ساتھ پڑھنے کا مقصد اس دور کی اس بڑی حقیقت کو سمجھانا ہے کہ برصغیر میں حدیث کا احیاء مقامی کوشش اور بیرونی مراکز کے ربط، دونوں کا ثمرہ تھا۔ مکہ و مدینہ اس زمانے میں عالمِ اسلام کی اسناد کا دارالحکومت تھے، وہاں کے اساتذہ — جن میں ابن حجر ہیتمی جیسی عالمگیر ہستیاں شامل تھیں — سے استفادہ کرنے والے ہندوستانی طلبہ جب واپس آتے تو اپنے ساتھ مستند نسخے، اعلیٰ اسناد اور تدریس کا ناخذ بہ لاتے تھے۔ گجرات کے راستے یہ فیض احمد آباد و برہان پور تک پہنچا اور دہلی کے راستے شمالی ہند تک۔ اسی ربط کا نتیجہ تھا کہ دسویں و گیارہویں صدی ہجری میں برصغیر میں شیخ عبدالحق دہلوی کا عظیم کارنامہ سامنے آیا جنہوں نے حجاز سے واپسی پر دہلی میں مستقل درس قائم کیا۔ عبد المعطی اور شہاب الدین عباسی جیسی شخصیات اس بڑی تصویر کے وہ کردار ہیں جن کے بغیر یہ تسلسل سمجھ میں نہیں آتا؛ تاریخ صرف چوٹی کے ناموں سے نہیں بنتی، درمیانی کڑیوں سے بنتی ہے۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ ابن حجر ہیتمی اپنے آثار — تحفۃ المحتاج، الفتح المبین، اشرف الوسائل اور الفتاویٰ الحدیثیہ — کے ذریعے حدیث و فقہ کی عالمگیر تاریخ کا مستقل باب ہیں اور ان کے مکی حلقے سے برصغیر کے طلبہ کا استفادہ دونوں خطوں کے علمی ربط کی روشن مثال ہے۔ عبد المعطی اور شہاب الدین عباسی اسی ربط کی نصابی روایت میں مذکور کڑیاں ہیں جن کی خدمات تدریس و اسناد کے میدان میں بیان کی جاتی ہیں؛ ان کی دقیق تفصیلات کے لیے کورس کی کتاب ہی طالب علم کی حتمی مرجع ہے، اور اس گائیڈ نے علمی دیانت کے تحت غیر تصدیق شدہ جزئیات گھڑنے سے پرہیز کیا ہے۔ اس سوال کا اصل سبق یہ ہے کہ علمِ حدیث کی تاریخ میں مراکز اور سلسلے شخصیات سے بڑے ہوتے ہیں؛ شخصیت کو اس کے سلسلے میں رکھ کر دیکھنے سے ہی اس کی اصل قدر معلوم ہوتی ہے۔